عالمِ اسلام کا مستقبل اور تحریکِ اسلامی

ڈاکٹر محمد رفعتِ اسلامی

ترجمان القرآن: ستمبر 2014ء

عالمِ اسلام کے سیاق میں بیسویں صدی کے دو اہم واقعات قابلِ ذکر ہیں۔ ان میں سے ایک استعماری طاقتوں سے آزادی ہے۔ پچھلی صدی کے وسط میں مسلمان ممالک مغربی طاقتوں کی غلامی سے آزاد ہوئے۔ آزادی کی تحریک چلانے میں مسلمانوں کے تمام عناصر شریک تھے، لیکن یہ واقعہ ہے کہ ہر ملک میں مسلمان علما اور اُن کے اداروں نے ان تحریکات میں نمایاں رول ادا کیا۔ آزادی کے حصول کے لیے مسلمانوں نے جو جدوجہد کی، اس کا ایک بنیادی محرک یہ توقع تھی کہ آزادی کے بعد وہ اپنے ملک اور سماج کی تعمیرِ نو اسلام کے مطابق کر سکیں گے اور اللہ کی نازل کردہ شریعت اُن کے آزاد ملک کا قانون ہو گی۔

بیسویں صدی کا دوسرا اہم واقعہ یہ تھا کہ عالمِ اسلام میں ایسی تحریکیں اٹھیں جنھوں نے اسلام کے قیام کو اپنا نصب العین قرار دیا۔ برعظیم پاک و ہند میں جماعت اسلامی اور مصر میں الاخوان المسلمون کی تحریک کا آغاز ہوا۔ ان تحریکوں نے اپنے کام کو تنظیمی شکل دی، اپنے پیغام کو وسیع پیمانے پر پھیلایا اور اسلام کی ترجمانی و تفہیم کے لیے مدلل لٹریچر شائع کیا۔ بیسویں صدی کے اختتام تک ان تحریکوں کے اثرات ساری دنیا میں پھیل چکے تھے۔ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے کو انھوں نے خاص طور پر متاثر کیا اور اُن کی ایک قابلِ ذکر تعداد کی زندگیوں کا رخ بدل دیا۔

عالمِ اسلام میں پیش آنے والے بیسویں صدی کے اِن دو اہم واقعات کے پس منظر میں اس عوامی تحریک کا تجزیہ کیا جا سکتا ہے، جس کا ظہور پچھلے چند برسوں میں عالمِ عرب میں ہوا۔ اس عوامی تحریک کو دنیا کے مبصرین نے عام طور پر حیرت اور استعجاب کے ساتھ دیکھا۔ بہت سے حلقوں میں اس نئے مظہر سے خوش آیند توقعات وابستہ کی گئیں، وہیں جابر حکمرانوں کے درمیان تشویش اور بے چینی محسوس کی گئی۔ اب دنیا کے اور خود عالمِ اسلام کے سامنے اہم سوال یہ ہے کہ کیا یہ عوامی تحریک اپنی فطری منزل تک پہنچے گی یا منفی طاقتیں اس تحریک کا زور توڑ دینے میں کامیاب ہو جائیں گی؟ اس سوال کا جواب حاصل کرنے کے لیے دو اہم امور پر غور کرنا ہو گا۔ ایک قابلِ غور پہلو یہ ہے کہ اس عوامی تحریک کی فطری منزل کیا ہے اور اس تحریک کی کامیابی عالمِ اسلام میں کیا اساسی تبدیلی لائے گی؟ دوسرا اہم سوال اُن عوامل سے متعلق ہے جو حالات پر اثر انداز ہوں گے۔ صحیح نتائج تک پہنچنے کے لیے ان داخلی اور خارجی عوامل کی نشان دہی ضروری ہے، جو عوامی تحریک کو کامیاب یا ناکام بنا سکتے ہیں۔ یوں تو یہ عوامل بہت سے ہیں، لیکن قابلِ ذکر اثر ڈالنے والے عوامل غالباً مندرجہ ذیل ہیں:

الف) مسلمان عوام (ب) نئی نسل کا تعلیم یافتہ عنصر (ج) مسلمان حکمراں طبقہ (د) دینی جماعتیں اور علما (ہ) مغربی طاقتیں)

ان پانچ عوامل کے علاوہ ایک اہم عامل، اسلامی تحریک ہے۔ اسلامی تحریک کو اللہ کی تائید کے سہارے، ایسی منصوبہ بند جدوجہد کرنی ہوگی کہ اس کا رول، حالات کا رُخ متعین کرنے میں فیصلہ کن ثابت ہو۔ وہ دوسرے مثبت عوامل کو صحت مند تبدیلی کے حق میں استعمال کر سکے اور منفی عوامل کے اثر کو زائل کر سکے۔

عوامی تحریک کی منزل

دنیا کے عوام کے سامنے یہ تخیل پوری قوت کے ساتھ آچکا ہے کہ اُن پر حکومت کرنے والے اُن کی رائے سے منتخب ہونے چاہییں۔ دنیا میں مقبول اس تخیل کا اثر، عرب ممالک کے عوام پر بھی پڑا ہے، چنانچہ جن ممالک میں بادشاہتیں قائم ہیں یا جہاں ڈکٹیٹروں کی حکومت ہے، وہاں کے عوام اُن سے آزادی چاہتے ہیں۔ یہ توقع فطری ہے کہ عالمِ عرب میں جاری عوامی تحریک کا نتیجہ، ایسی حکومتوں کا قیام ہوگا جو عوام کی آزاد رائے سے منتخب ہوں گی۔

لیکن یہ واقعہ ہے کہ عالمِ عرب کی عوامی تحریک کا ظہور محض معاصر دنیا کے جمہوری رجحان کا عکاس نہیں ہے، بلکہ اُس کی جڑیں پچھلی صدی کی اس تحریک آزادی سے ملتی ہیں، جو استعمار کی غلامی سے نجات کے لیے عالمِ اسلام میں برپا ہوئی تھی اور جس کو عوام اور علما دونوں کا سرگرم تعاون حاصل تھا۔ دونوں تحریکوں کا یہ تعلق ایک تاریخی حقیقت ہے جسے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ اس حقیقت کا اِدراک عوامی تحریک کی فطری منزل متعین کر دیتا ہے۔ یہ منزل ہر مسلمان ملک میں ایک ایسی حکومت کا قیام ہے جو اسلام کے مطابق ملک اور سماج کی تعمیرِ نو کا عزم رکھتی ہو اور جس کے چلانے والے، عوام کی آزاد مرضی سے منتخب ہوتے ہوں۔

دنیا کے ذرائع ابلاغ پر جن عناصر کا قبضہ ہے، انھوں نے یہ تخیل پیش کیا ہے کہ عوامی تحریک کے نتیجے میں ایک سیکولر جمہوری حکومت قائم ہونی چاہیے لیکن یہ خیال سطحیت پر مبنی ہے۔ یہ اُس تحریک آزادی کو نظر انداز کرتا ہے جس میں غیر معمولی قربانیاں دی گئی تھیں اور جس کا سب سے قوی محرک، اسلامی نظامِ زندگی کے احیاء کا وہ جذبہ تھا، جس نے عالمِ اسلام کے عوام کو سرشار کر رکھا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ معاصر عوامی تحریک پچھلی صدی کی تحریک آزادی کا تسلسل ہے چنانچہ اُس کی فطری منزل استعمار کی غلامی سے مکمل نجات اور شریعتِ الٰہی کو نافذ کرنے والی حکومت کا قیام ہے۔

کسی عوامی تحریک کو ناکام بنانے کے لیے دنیا میں عموماً دو طریقے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ایک طرف ظلم، جبر اور تشدد کے ذریعے تحریک کو روکا جاتا ہے اور توقع کی جاتی ہے کہ مظالم اور شدائد سے گھبرا کر تحریک کے علم بردار اپنے مشن سے باز آجائیں گے۔ اگر تحریک چلانے والے ثابت قدمی کا ثبوت دیں اور قربانیوں کے لیے آمادہ ہوں تو عموماً یہ حربہ تحریک کا راستہ روکنے میں کامیاب نہیں ہوتا، بلکہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ زیادتیوں اور مظالم سے تحریک کو ایک نئی زندگی ملتی ہے ع

بڑھتا ہے ذوقِ جرم یہاں ہر سزا کے بعد

البتہ تحریکوں کا راستہ روکنے کے لیے دنیا میں ایک دوسرا حربہ بھی استعمال ہوتا رہا ہے اور وہ زیادہ کارگر ہے۔ تحریک کے مخالفین یہ کوشش کرتے ہیں کہ تحریک کی منزل کے بارے میں خود اُس کے علم برداروں کے ذہن میں انتشار اور خلجان (confusion) پیدا کر دیا جائے۔ اگر یہ کوشش کامیاب ہو جائے تو فکری انتشار، بہت جلد عملی انتشار کی شکل اختیار کر لیتا ہے یا تحریک انحراف (deviation) کی طرف لے جانے لگتی ہے۔ چنانچہ اس وقت دنیا کے ذرائع ابلاغ اسی سعی میں لگے ہوئے ہیں کہ عالمِ عرب کی عوامی تحریک کو اُس کی اصل منزل سے منحرف کر دیا جائے۔ عالمِ اسلام کے باشعور عناصر کو پوری کوشش کرنی ہوگی کہ مفسدینِ عالم کا یہ منصوبہ کامیاب نہ ہو، عوامی تحریک انحراف کا شکار نہ ہونے پائے، بلکہ اپنی حقیقی منزل کی طرف گامزن رہے۔

عالمِ اسلام کا باشعور عنصر

مسلمانوں کی نفسیات کی تشکیل میں اسلام بنیادی رول ادا کرتا ہے لیکن دنیا کے مقبول نعرے اور نظریات، دنیا کے دوسرے انسانوں کی طرح، مسلمانوں کو بھی متاثر کرتے ہیں چنانچہ عالمِ عرب کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ مسلمانوں کے تحت الشعور پر یقیناً اسلام کی حکمرانی ہے، لیکن اُن کے شعور پر اجنبی تصورات نے بھی اپنے اثرات ڈالے ہیں۔ سیکولرزم، نیشنلزم، علاقائی و قبائلی عصبیت اور عرب قومیت کے منفی اثرات اس سلسلے میں قابلِ ذکر ہیں، جنھوں نے عرب دنیا کے مسلمانوں کے اسلامی شعور کو متاثر کیا ہے۔ ان حالات میں مسلمانوں کے اس عنصر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے جو اِن باطل نظریات اور نعروں کے شر سے واقف ہے اور جسے اسلام کا صحیح فہم بھی حاصل ہے۔ اس عنصر کو تحریکِ اسلامی کہا جاتا ہے۔ عالمِ اسلام کو درست رہنمائی فراہم کرنا، اس عنصر کا بنیادی کام ہے۔

کسی انسانی گروہ کی رہنمائی کرنے کے لیے کچھ صلاحیتیں درکار ہیں۔ حالات کا درست تجزیہ کر کے پیش قدمی کی راہ نکالنے کی صلاحیت اُن میں سے ایک ہے۔ درست تجزیے کے لیے محض حالاتِ زمانہ کے متعلق معلومات کافی نہیں، بلکہ اُس نقطۂ نظر کا گہرا شعور بھی تجزیہ کرنے والوں کو حاصل ہونا چاہیے جس کے وہ علم بردار ہیں۔ اسی طرح رہنمائی کے لیے درکار دوسری بنیادی صفت عزم و حوصلہ اور کردار کی پختگی ہے۔ اس وصف کے بغیر کوئی رہنمائی، انسانوں کو اپنی طرف متوجہ نہیں کر سکتی۔ ایک تیسری صفت جس کی ضرورت ہے، وہ وسیع النظری اور عالی ظرفی ہے۔ جس گروہ کی رہنمائی پیش نظر ہے اس کے تمام افراد، شعور کی پختگی کے اعتبار سے یکساں نہیں ہوتے۔ اُن کی خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود صبر، حکمت، ہمدردی اور دل سوزی کے ساتھ اُن کی رہنمائی کا کام بڑا ظرف چاہتا ہے۔

اُمتِ مسلمہ بھی ایک انسانی گروہ ہے۔اس کی رہنمائی کا فریضہ، تحریک اسلامی کے سپرد ہے۔ چنانچہ تحریکِ اسلامی کو اپنے اندر بلند حوصلگی اور عالی ظرفی کی صفات پیدا کرنی ہوں گی۔اس کے ساتھ یہ بھی ضروری ہے کہ اسلام کے نقطۂ نظر کا مستند فہم، علم بردارانِ تحریک کو حاصل ہو اور وہ حالات کا تجزیہ اس فہم کی روشنی میں کر سکیں۔ یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ آج اُمتِ مسلمہ مختلف عصبیتوں کا شکار ہے، جو قومی و وطنی بھی ہیں، قبائلی اور نسلی بھی اور مسلکی، فرقی و جماعتی بھی۔ان حالات میں تحریکِ اسلامی کا ایک اہم کام یہ ہے کہ عصبیتوں سے مسلمانوں کو نجات دلائے، جائز اختلافات کو عصبیت بننے سے روکے اور دین کی بنیاد پر مسلمانوں کو یک جہتی، اتحاد، اجتماعیت اور اشتراکِ عمل پر آمادہ کرے۔اس کام کو انجام دینے کے لیے یہ بہر حال ناگزیر ہے کہ تحریکِ اسلامی خود اپنے بارے میں چوکنّی رہے اور اپنے دامن کو کسی عصبیت سے آلودہ نہ ہونے دے۔اس کا مقام تقاضا کرتا ہے کہ قرآن و سنت فی الواقع اس کی اساسِ کار ہوں، اُن کے دائرے کے اندر وہ تمام اہلِ ایمان کا یہ حق تسلیم کرے کہ وہ اخلاص کے ساتھ، علم کی روشنی میں قرآن و سنت کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کریں۔ تحریکِ اسلامی کو ایسے رویے سے اجتناب کرنا چاہیے، جو اُسے ایک مسلک یا محدود مکتبِ فکر بنا دے۔اس کے دامن میں وہی وسعت ہونی چاہیے جو خود اسلام کے آفاقی تصور میں پائی جاتی ہے۔

عالمِ اسلام میں حالات بظاہر ایسے موڑ پر آچکے ہیں کہ مثبت اور منفی دونوں امکانات بروے کار آسکتے ہیں۔ مثبت امکان یہ ہے کہ مسلمان ممالک میں اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی شروع ہو جائے اور اس راہ کے مراحل طے ہونے لگیں۔اس کے برعکس منفی امکان بھی موجود ہے اور وہ یہ ہے کہ عوامی تحریک کا رخ سیکولر نظام کی طرف موڑ دیا جائے۔ان حالات میں اسلامی تحریک کا کردار کلیدی ہے۔اُسے ذہنی، فکری اور عملی تیاری کے ساتھ امت کے تمام عناصر کی رہنمائی کرنی ہو گی۔ اگر اخلاص کے ساتھ علم بردارانِ تحریک نے یہ کام انجام دیا اور تنگ نظری و عصبیت سے اپنے کو بچائے رہے تو توقع کی جاسکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں کے دلوں کو اُن کی طرف راغب کر دے گا، اُمت اُن کی رہنمائی سے مستفید ہو گی۔استعمار کی چالیں ناکام ہوں گی اور عالمِ اسلام کی حقیقی آزادی کی راہیں کھلیں گی۔تب اس کا بھی امکان ہے کہ عالمِ اسلام کی خوش گوار تبدیلیاں دنیا کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے لگیں اور نیشنلزم و سیکولرزم کے فتنوں سے نجات کی راہ، دنیاے انسانیت کو نظر آجائے۔ تحریکِ اسلامی کو موجودہ حالات، احتسابِ زمانہ کے ساتھ، خود احتسابی اور تجدیدِ عہد کی طرف متوجہ کرتے ہیں

صورتِ شمشیر ہے دستِ قضا میں وہ قوم

کرتی ہے جو ہر زماں، اپنے عمل کا حساب

مسلمان عوام

پوری دنیا میں مسلمان عوام، دین سے محبت کرتے ہیں اور دینی شعائر کا احترام کرتے ہیں، لیکن اس کے ساتھ وہ تین کمزوریوں کا شکار ہیں۔ ایک کمزوری یہ ہے کہ اُن کے اندر دین کا علم بہت کم اور محدود ہے۔ عموماً دین کے بارے میں اُن کی معلومات کا ذریعہ وہ باتیں ہیں، جو انھوں نے مختلف مجالس میں سُن رکھی ہیں، جو غلط اور صحیح کا ملغوبہ ہیں۔ دین کے سرچشموں قرآن وسنت سے عوام کا رابطہ نہ ہونے کے برابر ہے اور بعض نادان مخلصین اور ہوشیار مفسدین برابر یہ کوشش کرتے رہتے ہیں کہ عوام قرآن وسنت سے واقف نہ ہونے پائیں۔

مسلمان عوام کی دوسری کمزوری اخلاقی پستی ہے۔ مغربی استعمار کی غلامی کی دو صدیوں نے اُن کے اخلاق و کردار کو بگاڑ دیا ہے۔ رسمی آزادی حاصل ہو جانے کے بعد مسلمانوں کی حکومتوں نے عموماً عوام کی دینی واخلاقی تربیت کا کوئی اہتمام نہیں کیا ہے۔ اس کے برعکس بگاڑ کے لیے ذرائع ابلاغ جو کوشش کرتے ہیں، حکومتیں اُن کی سرپرستی کرتی ہیں۔ عوام کی ایک قابل ذکر تعداد اپنی معیشت کے سلسلے میں حلال و حرام کی قیود سے ناواقف ہے یا اُن سے بے پرواہ ہے۔ اصلاح و تلقین کرنے والے بھی عموماً اپنی گفتگو میں معیشت کو موضوعِ بحث نہیں بناتے۔ بددیانتی اور غیر ذمہ داری کے ساتھ مفاد پرستی بھی عام ہے۔ اپنے مفاد کے لیے لوگ، مفسدین کا آلۂ کار بننے کے لیے یا اُن کی لیڈری و سیادت قبول کرنے کے لیے بآسانی آمادہ ہو جاتے ہیں۔ دین سے لگاؤ کے باوجود فرض عبادات تک سے عوام کا ایک بڑا حصہ غافل ہے۔

عوام کی ایک تیسری کمزوری غلط مذہبیت ہے۔ تعویذ، گنڈے اور غیر مسنون اذکار اس کی علامت ہیں۔ جب یہ بگاڑ آگے بڑھتا ہے تو مشرکانہ رسومات، اور عرسوں کے اہتمام کی شکل اختیار کرتا ہے۔ پیر اور مرشد کے ساتھ عقیدت میں غلو کیا جاتا ہے اور اس کی غیر مشروط اطاعت درست سمجھی جاتی ہے۔ بدعات کو بلا تکلف قبول کر لیا جاتا ہے اور قرآن وسنت کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت محسوس نہیں کی جاتی۔ اصل دین پر خود ساختہ مذہبی رسوم و رواج کا بھاری بوجھ ڈال دیا جاتا ہے جو دین کی پُرکشش شبیہ کو چھپا دیتا ہے اور سلیم الفطرت طبیعتیں دین کی طرف راغب ہونے کے بجائے اس سے متنفر ہونے لگتی ہیں۔

یہ سمجھنا خام خیالی ہے کہ عوام کی دین سے محبت اور دینی شعائر سے اُن کی عقیدت، اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی کے لیے کافی ہے اور عوام کی مندرجہ بالا کمزوریوں کو دُور کرنے کے لیے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں ہے۔ حقیقتِ واقعہ اس کے برعکس ہے۔ عوام میں پائے جانے والی ان خرابیوں کی اصلاح کے بغیر اسلامی نظام کی طرف پیش قدمی بہت مشکل ہے۔ جس طرح دستور اور قانون کے اندر اصلاح درکار ہے، اسی طرح عوام کی اصلاح کے لیے بھی منصوبہ بند کوشش ضروری ہے۔ بگڑا ہوا مسلم معاشرہ، اسلامی نظام کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ اسلامی تحریک کو معاشرے کی ہمہ جہتی اصلاح کے لیے کام کرنا ہوگا۔ بلاشبہہ ایک صالح حکومت معاشرے کے سدھار کا کام بڑے پیمانے پر کر سکتی ہے، لیکن یہ سمجھنا صحیح نہیں ہے کہ حکومت ہی اس سلسلے میں واحد مؤثر عامل ہے۔ معاشرے کو متاثر کرنے والے بہت سے عوامل ایسے بھی ہوتے ہیں، جو حکومت کے کنٹرول میں نہیں ہوتے۔ اس لیے معاشرے کی اصلاح اور حکومتی ڈھانچے میں تبدیلی دونوں کی ضرورت ہے۔

نئی نسل

: مسلمانوں کی نئی نسل دین سے محبت میں اپنے بزرگوں سے پیچھے نہیں، البتہ دو باتیں اُسے دین اور دین دار لوگوں سے دُور کرتی ہیں

الف) مسلمانوں کے مسلکی جھگڑے اور (ب) دین دار لوگوں کے کردار کی پستی۔)

تحریک اسلامی کا کام یہ ہے کہ اس نئی نسل کے سامنے دین کی وہ تصویر پیش کرے، جوان کمزوریوں سے پاک ہو۔ نئی نسل کو اللہ کے دین کے حقیقی پیغام سے واقف ہونا چاہیے، جو اپنے اندر بے پناہ کشش رکھتا ہے۔ پھر اُن کے سامنے یہ بات بھی آنی چاہیے کہ اختلاف کی جائز حدود کیا ہیں اور ایسے اختلافات کے باوجود اتحادِ عمل کی راہ کیا ہے۔ اس طرح یہ بھی ضروری ہے کہ تحریکِ اسلامی، نوجوان نسل کو اُن دین دار افراد سے متعارف کرائے جن کا اخلاق بلند اور کردار بے داغ ہے۔ اللہ کے فضل سے ماضی میں بھی امت میں بلند کردار افراد موجود تھے اور آج بھی وہ امت کی زندگی کی علامت ہیں۔

مسلمانوں کی نئی نسل خواندگی اور تعلیم کے اعتبار سے اپنے بزرگوں سے آگے ہے۔ تعلیم نے اُسے مغربی کلچر سے روشناس کرایا ہے۔ جمہوریت کے نعرے اس نے سُنے ہیں اور اُس کے مظاہر دیکھے ہیں۔ ٹکنالوجی اور سائنس کی ترقی کا اثر اُس نے قبول کیا ہے۔ تحریکِ اسلامی کو چاہیے کہ اس پس منظر میں نئی نسل کی رہنمائی کرے۔ مغربی کلچر کا ایک وصف، بحث وگفتگو کی آزادی ہے۔ اخلاقی حدود کی پابندی کے ساتھ اسلام اس کا قائل ہے۔ اسی طرح ذرائع ابلاغ اور ٹکنالوجی سے فائدہ اٹھانے کو اسلام درست سمجھتا ہے بشر طیکہ یہ استفادہ حدود اللہ اور اسلام کے ضوابط کے تحت ہو جو اللہ نے مقرر کیے ہیں۔ اسلام اُس طرزِ حکومت کا قائل ہے، جس میں حکمراں، عوام کی مرضی سے چُنے جائیں اور اس سلسلے میں معاصر رجحان کی تائید اسے حاصل ہے۔ تحریکِ اسلامی مسلمانوں کی نئی نسل کو ان تمام امور کے سلسلے میں اسلام کے نقطۂ نظر سے آگاہ کر سکتی ہے اور یہ کام اسے ضرور کرنا چاہیے۔

عالمِ اسلام میں برپا عوامی تحریک میں نئی نسل نے اہم رول ادا کیا ہے۔ ابھی تک اُن کی دل چسپی زیادہ تر جمہوریت کی بحالی سے ہے۔ اُن کے سامنے وہ سارے پہلو بھی آنے چاہییں جن میں مغربی جمہوریت اصلاح کی محتاج ہے۔ تحریکِ اسلامی یہ تجزیہ پیش کرے تو نئی نسل کو اسلامی نقطۂ نظر پر مطمئن کرنا کوئی مشکل امر نہ ہوگا۔ اسی طرح یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ جمہوریت سیاسی نظام کے محض ایک پہلو کا نام ہے۔ سیاسی نظام کے سلسلے میں اساسی سوال یہ ہے کہ زندگی کے مختلف شعبوں کے سلسلے میں ہدایت کہاں سے اخذ کی جائے گی؟ اسلام کے نزدیک اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اس ہدایت کا ماخذ اللہ تعالیٰ کی رہنمائی ہے، جو اس کی کتاب اور اُس کے رسول کی سنت میں موجود ہے۔ تحریکِ اسلامی کو چاہیے کہ اس نقطۂ نظر سے نئی نسل کو واقف بھی کرائے اور انھیں مطمئن بھی کرے۔

سیکولرزم کے حق میں ذرائع ابلاغ کا پروپیگنڈا جاری ہے۔ تحریکِ اسلامی کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ سیکولرزم کے تجربے کا تنقیدی جائزہ لے کر بتائے کہ وہ انسانی مسائل حل کرنے میں ناکام رہا ہے۔ سیکولر تہذیب تین صدیوں سے دنیا کے ایک بڑے حصے پر حکمراں ہے۔ اس نے دنیا میں امن کے قیام کے بجائے دنیا کو استعماری طاقتوں کا غلام بنا دیا ہے۔ سیکولر ٹکنالوجی نے خشکی اور تری میں فساد برپا کر کے دنیا کو ماحولیاتی بحران سے دوچار کیا ہے۔ سیکولر نظریے کے تحت اباحیت اور بے حیائی کو فروغ ملا ہے۔ انسانی قدریں پامال ہو رہی ہیں اور خاندان بکھر رہے ہیں۔

مسلمان حکمراں طبقہ

مسلمانوں کے حکمراں طبقے میں مخلص اور باکردار افراد بھی موجود ہیں، لیکن بہت کم۔ اس طبقے کی اکثریت تین بڑی کمزوریوں کا شکار ہے:

الف) دین سے ناواقفیت اور اس سے بے پروائی)

ب) کردار کی پستی اور مسرفانہ طرزِ زندگی)

ج) مفاد پرستی اور مغرب سے مرعوبیت۔ ان کمزوریوں نے اُن کو بزدلی اور خوف میں بھی مبتلا کر دیا ہے اور وہ بآسانی اپنے ملک اور امتِ مسلمہ کے خلاف) غداری پر آمادہ ہو جاتے ہیں۔

اِن حالات میں تحریکِ اسلامی کا کام یہ ہے کہ مسلمانوں کے تعلیم یافتہ طبقے پر توجہ کرے۔ حکمراں عموماً اسی طبقے سے تعلق رکھتے ہیں۔ تعلیم یافتہ افراد میں مندرجہ بالا کمزوریاں پائی جائیں تو اُن کی اصلاح کی ہمہ جہتی کوشش کی جانی چاہیے۔ یہ مسلم معاشرے کی بہت بڑی خدمت ہوگی۔ دوسری طرف مسلمان عوام کو اس جانب متوجہ کیا جانا چاہیے کہ اگر حکمرانوں کا انتخاب اُن کے اختیار میں ہو تو وہ ایسے افراد کو منتخب کریں جو ان نمایاں کمزوریوں سے پاک ہوں۔

یہ حقیقت بھی سامنے رہنی چاہیے کہ عالمِ اسلام حقیقی سیاسی آزادی اُس وقت تک حاصل نہیں کر سکتا اور اسے برقرار نہیں رکھ سکتا، جب تک وہ صنعت و حرفت اور سائنس و ٹکنالوجی کے میدانوں میں قابل لحاظ ترقی نہ کر لے۔ یہ ترقی اس حد تک ہونی چاہیے کہ عالمِ اسلام معاشی، تکنیکی اور حربی پہلو سے خود کفیل (self reliant) ہو جائے۔ اس کیفیت کے بغیر حکمرانوں کی نیک کرداری بھی ملک کو غلامی سے نہیں بچا سکتی۔ خود کفیل ہونے کے لیے منصوبہ بند کوشش درکار ہے۔ عالمِ اسلام کے تمام عناصر کو اس سلسلے میں کام کرنا ہوگا اور تحریکِ اسلامی ان کوششوں میں تعاون پیش کر سکتی ہے۔ خواندگی کا اہتمام، تعلیم کی ترقی، سائنس اور ٹکنالوجی کے فروغ کے لیے اداروں کا قیام، صنعت و حرفت نیز زراعت کی ترقی کا اہتمام اور ان کاموں کے

لیے ضروری وسائل کی فراہمی ضروری ہے۔ ان تمام امور میں مسلمان ممالک کا آپسی تعاون بھی درکار ہے۔ ملک کی آزادی کے لیے بنیادی شرط تو آزادی کی طلب اور اس کے حصول کا جذبہ ہے، لیکن اس کو برقرار رکھنے کے لیے خود کفیل ہونا بھی شرط ہے۔

دینی جماعتیں اور علما

بہت سے روایتی دینی حلقے جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون سے مختلف امور میں اختلاف کرتے رہے ہیں اور یہ جماعتیں اُن کی تنقید کا ہدف بھی بنی ہیں۔ اس واقعے کے باوجود ایسے افراد، ان حلقوں میں ہمیشہ پائے جاتے رہے ہیں، جنھوں نے جماعت اسلامی اور اخوان المسلمون کے کاموں کو قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔

اس تنقید کے باوجود جو بعض دینی حلقوں کی طرف سے کی گئی ہے، حقیقت یہ ہے کہ اسلامی تحریک کی نمایندہ تنظیمیں اور روایتی دینی حلقے، اپنی اصل حیثیت کے اعتبار سے ایک دوسرے کے معاون ہیں۔ چنانچہ اسلامی نظام کے قیام کی جانب پیش رفت میں تحریکِ اسلامی کو اُن تمام عناصر کا تعاون حاصل ہونا چاہیے جو دین کے لیے مخلص ہیں اور دین کی خدمت میں لگے ہوئے ہیں۔ اس تعاون کے راستے میں آخر کیا چیز رکاوٹ ہے؟

اِس سوال پر غور کیا جائے تو دو ممکنہ رکاوٹوں کی نشان دہی کی جاسکتی ہے: (الف) تنگ نظری اور جماعتی و مسلکی عصبیت اور (ب) مفاد پرستی۔ چنانچہ اسلامی تحریک کو کوشش کرنی چاہیے کہ خود اس کا دامن اِن کمزوریوں سے پاک ہو۔ پھر اُسے اِس طرف توجہ کرنی چاہیے کہ دینی حلقوں اور جماعتوں میں وسیع النظری اور باہمی تعاون کی فضا فروغ پائے۔ اس سلسلے میں نوجوانوں سے اچھی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں۔ عموماً اُن کے مزاج میں گروہی عصبیت کے بجاے حق پسندی غالب ہوتی ہے اور مفاد پرستی کے بجاے اُن میں راہِ حق میں قربانی کا جذبہ پایا جاتا ہے۔

حالات پر اثرانداز ہونے والا آخری اہم عامل مغربی طاقتیں ہیں۔ مغرب کا سرمایہ دارانہ نظام، اپنے استعماری عزائم کے ساتھ پوری دنیا پر مسلط ہونے کی کوشش کر رہا ہے۔ جہاں تک عوام کا تعلق ہے وہ مشرق میں ہوں یا مغرب میں، اسلام کی دعوت اُن تک پہنچنی چاہیے، اسی طرح ہر فرد چاہے وہ حکمراں طبقے سے تعلق رکھتا ہو، اس کا مستحق ہے کہ اُس کو فلاح و نجات کی راہ دکھائی جائے، لیکن جہاں تک جبر واستبداد پر مبنی، عالمی سرمایہ داری کے نمایندے، استعماری نظام کا تعلق ہے، اس کے خلاف مسلسل، منصوبہ بند اور اَن تھک جدوجہد کی ضرورت ہے۔ تحریکِ اسلامی کا کام یہ ہے کہ اس عظیم جدوجہد کے سلسلے میں انسانوں کی رہنمائی کرے۔ اس راستے میں اُسے دنیا کے اُن تمام عناصر کا تعاون حاصل ہوگا، جو اللہ کی زمین پر عدل وانصاف کا قیام چاہتے ہیں۔